بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

اشارات

مرکزی مجلسِ شوریٰ جماعت اسلامی پاکستان کا جو خاص اجلاس لاہور میں آٹھ جولائی سے بارہ جولائی تک منعقد ہوا، اُس میں جماعت کے کام کا جائزہ لیا گیا اور مستقبل کے پروگرام کے متعلق بعض تجاویز پیش کی گئیں۔ یہ جائزہ اور تجاویز جماعت کے ہر بہی خواہ کی توجہ کی پوری طرح محتاج ہیں اس لیے آج ہم ان کے بارے میں چند معروضات پیش کریں گے۔

مجلس کے اس اجلاس میں جماعت کی رفتارِ ترقی کی جو مختلف رپورٹیں پیش کی گئیں اُن کے دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مارشل لا اٹھنے کے بعد ارکان اور متفقین کی تعداد میں معتدبہ اضافہ ہوا ہے اور خاص طور پر مشرقی پاکستان میں جماعت کا اثر و نفوذ بڑی تیزی کے ساتھ بڑھ رہا ہے۔ چنانچہ اس وقت صورتِ حال یہ ہے:

ارکان کی تعداد ۱۵۳۸	مشرقی پاکستان	۱۶۷	مغربی پاکستان	۱۳۷۱
مقامی جماعتوں کی تعداد ۲۰۹	"	۲۹	"	۱۸۰
متفقین کی تعداد ۴۲۲۷۴	"	۱۳۴۲۸	"	۲۸۸۴۶
حلقہ ہائے متفقین کی تعداد ۱۴۶۳	"	۵۳۲	"	۹۳۱
دارالمطالعوں اور جماعتی لٹریچر کی لائبریریوں کی تعداد ۵۵۵	"	۲۵۰	"	۳۰۵

مشرقی پاکستان کے طوفان زدگان کی امداد نقد: ۱۳۲۰۰۰—۰ روپے

پارچات : ۷۳ گانٹھیں

نیا کپڑا : ۱۶۲۳ گز

ارکان کی تعداد گزشتہ ایک سال میں تین سو سے کچھ اوپر ہی بڑھی ہے اور اسی طرح متفقین کی تعداد میں بھی ہزاروں کا اضافہ ہوا ہے۔ جماعت کی یہ ترقی اس کے ارکان یا ہی خواہوں کی کاوشوں کی رہینِ منت نہیں بلکہ یہ محض اللہ کا فضل ہے کہ اُس نے بالکل غیب سے اس کے بڑھنے کے سامان پیدا کر دیتے۔

رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا۔ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْأَلُكَ قُلُوْبًا اَوَّاهَةً مُّخْبِتَةً مُّنِيْبَةً فِيْ سَبِيْلِكَ۔ اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ كَالَّذِيْ نَقُوْلُ وَخَيْرًا مِّمَّا نَقُوْلُ۔

شوریٰ کی اس کارروائی میں چوہدری غلام محمد صاحب امیر جماعتِ اسلامی حلقہ کراچی کی وہ رپورٹ بھی سامنے آئی ہے جو انہوں نے افریقہ میں اسلام کی رفتارِ ترقی کے بارے میں اپنے ذاتی مشاہدات کی بنیاد پر پیش کی ہے۔ چوہدری صاحب حالات کا جائزہ لینے کے لیے خود افریقہ کے اہم مقامات پر تشریف لے گئے اور صورتِ حال کا اپنی آنکھوں سے مطالعہ کرنے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ افریقہ میں اسلام کی ترقی کی رفتار اُس سے بہت مختلف ہے جو مغربی ممالک اور مصر کے اخبارات بیان کر رہے ہیں۔ وہاں مسلمانوں کی طرف سے اب تک کوئی قابلِ ذکر منظم کام نہیں ہوا ہے اور نہ ہی ایسے ادارے ہی موجود ہیں جنہیں منظم کر کے اس کام میں لگایا جاسکے۔ البتہ فہمیدہ اور دُور اندیش مسلمانوں میں اس کی ضرورت کا احساس اُبھر رہا ہے۔"

اس ذمہ داری سے عہدہ برا ہونے کے لیے جماعتِ اسلامی کی مجلسِ شوریٰ نے اس امر کا فیصلہ کیا ہے کہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی دسمبر ۱۹۶۳ء میں بالکل اپنی ذاتی حیثیت میں مشرقی افریقہ کا دورہ کریں تاکہ کوئی جماعتی تعصبات تبلیغِ دین کی راہ میں حائل نہ ہونے پائیں۔

پھر اس دورہ کے اختتام پر وہیں اُن حضرات کی ایک کنونشن بلائی جائے جو سیینوں میں اسلام کا درد رکھتے ہیں اور اس بات کے آرزومند ہیں کہ اللہ کا یہ دین دوسرے ادیان پر غالب ہو۔ انہی دردمند اصحاب کے اشتراک و تعاون سے وہاں ایک مضبوط تبلیغی ادارے کی بنا ڈالی جائے جو ایک نظم کے تحت اس کام کو آگے بڑھانے کی کوشش کرے۔

اس ادارے کو مضبوط بنانے اور اُسے ہر قسم کی امداد بہم پہنچانے کے لیے یہ ضروری ہے کہ دنیا کے سارے مسلمانوں کے ضمیر کو بیدار کیا جائے اور انہیں اس کام کی اہمیت کا اچھی طرح احساس دلایا جائے۔ اسی مقصد کے حصول کے لیے جماعت نے یہ طے کیا ہے کہ مولانا کی مراجعت پر پاکستان میں تمام دینی جماعتوں کے اشتراک سے ایک کانفرنس منعقد کی جائے اور اس میں ایک خالص دینی اور غیر جماعتی تبلیغی ادارے کی تشکیل کی جائے جو اس فرض کو ہر قسم کے تعصبات اور انتیازات سے بالاتر ہو کر بطریق احسن سرانجام دے۔

جماعت اسلامی تائید ایزدی سے اصلاحِ معاشرہ کے کام پر اپنے حالات اور وسائل کے مطابق شروع سے ہی اپنی توجہ صرف کر رہی ہے لیکن اس مرتبہ امیر محترم نے کام کا جو نیا نقشہ پیش فرمایا ہے وہ انشاءاللہ نتائج کے اعتبار سے زیادہ حوصلہ افزا ثابت ہوگا۔ مولانا کی تجویز یہ ہے کہ ملک کے اندر کچھ ایسے نمونے کے علاقے تیار کیے جائیں جو موجودہ حالات میں زیادہ سے زیادہ امکانی حد تک اسلامی معاشرے کے آئینہ دار ہوں تاکہ لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھ سکیں کہ اسلامی معاشرے کی برکات کیا ہیں۔ اس غرض کے لیے پچیس پچیس، تیس تیس دیہات پر مشتمل کچھ ایسے علاقے منتخب کیے جائیں جہاں پہلے ہی جماعت کے اثرات کافی پھیل چکے ہیں ان میں سے ہر ہر گاؤں میں مضبوط حلقہ ہائے متفقین منظم کیے جائیں اور ان حلقوں میں باہمی ربط پیدا کر کے ایک ٹھوس بلاک بنا دیا جائے۔ پھر اس بلاک کے اندر منظم طریقہ سے بتدریج مساجد کی اصلاحِ حال، جرائم اور فواحش کے انسداد، دارالمطالعوں، سکولوں اور دینی تعلیم کے

مدرسوں کے قیام، راستوں کی درستی، صحت و صفائی اور طبی امداد کے انتظام، بستی کے یتیموں بیواؤں معذور اور غریب طالب علموں کی امداد، زکوٰۃ اور عشر کی تنظیم، باہمی تنازعات کے بستی میں ہی فیصلے اور امداد باہمی کے اداروں کے قیام کا انتظام کیا جاتے۔"

اس پروگرام کو عملی جامہ پہنانے ہوئے کس قسم کی مشکلات راستے میں حائل ہونگی، ان کے بارے میں کوئی چیز بھی یقین اور وثوق کے ساتھ نہیں کہی جاسکتی۔ یہ بڑی ہی کٹھن اور مشکل منزل ہے برسوں کے بگڑے ہوتے معاشرے کے اندر نیکی اور بھلائی کی بالا دستی کو بالفعل قائم کرنا جوئے شیر لانے سے کسی طرح بھی کم نہیں۔ اس راہ میں قدم قدم پر مزاحمتیں ہونگی۔ شریر لوگ باہم منظم ہوکر اس کی راہ روکنے کی پوری کوشش کریں گے۔ مفادات کے پرستار اپنے مفادات کو خطرات میں پڑتے ہوتے دیکھ کر اس کے خلاف ہر قسم کی غلط فہمیاں پھیلائیں گے۔ جن لوگوں کی برسہا برس سے چودھراہٹیں قائم ہیں، انہیں اس سے سخت کرب و اضطراب محسوس ہوگا اور وہ اس بات کے لیے پوری قوت کے ساتھ جدوجہد کریں گے کہ کسی طرح یہ تحریک کامیاب نہ ہونے پاتے۔ لیکن ہمیں یقین ہے کہ اگر اللہ نے کرم فرمایا اور اس کام کے لیے کچھ مخلص، دردمند اصحاب بصیرت آگے بڑھے اور انہوں نے دلسوزی و یکسوئی اور فہم و تدبر کے ساتھ اس کام کو آگے بڑھایا تو یہ تجربہ کامیاب ثابت ہوگا۔

برائی اگر منظم ہوکر معاشرے کے رگ و پے میں سرایت کر کے اس کے سارے جسم کو زہر آلود کر سکتی ہے تو آخر نیکی اس کے اندر نفوذ کر کے اُسے صحت و توانائی کیوں نہیں بخش سکتی؟ بُرائی اگر جسم و جان کا سب سے خطرناک روگ ہے، تو نیکی اس کے مقابلے میں سراپا شفا ہے سر تا پا رحمت ہے، سکونِ قلب کے حصول کا واحد سرچشمہ ہے، اس کے ذریعہ باہمی رقابتیں ختم ہوتی ہیں۔ لوگوں کے درمیان محبت اور مودّت کے رشتے مضبوط ہوتے ہیں، اور ان کے اندر ایثار، ہمدردی، جرأت اور عزتِ نفس جیسی بلند صفات پرورش پاتی ہیں۔

آپ اگر خیر و شر کی باہمی آویزش کا جائزہ لیں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ دنیا کے ہر معاشرے میں خدا خوفی، پرہیز گاری، تقویٰ اور پاکبازی کو ہمیشہ عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے۔ جو لوگ انفرادی طور پر ان صفات کے حامل ہوتے ہیں، اُن کی سوسائٹی کے ہر طبقے میں بڑی آؤ بھگت کی جاتی ہے۔ لیکن انسانوں کا یہی مقدس گروہ جب نیکی، شرافت اور خدا ترسی کو کسی معاشرے کے اندر عملاً قائم کرنے کے لیے جدوجہد کرتا ہے تو پھر دنیا میں اس سے زیادہ مغضوب اور قابلِ نفرت طبقہ اور کوئی نہیں ہوتا۔ اس باطل فلسفہ کے مطابق نیکی اُسی وقت تک قابلِ قدر ہے جب تک یہ انفرادیت کے دائرہ سے باہر قدم رکھنے کی جسارت نہیں کرتی، یہ یقیناً ایک سعادت اور برکت ہے لیکن اسی حد تک جہاں تک یہ دل کی گہرائیوں کو منوّر کرتی رہے۔ لیکن جونہی اس کے اندر باطل کی تاریکیوں کے خلاف صف آرا ہونے کا جذبہ اور ولولہ پیدا ہو تو پھر یہ ہوسناکی بن جاتی ہے اور اس وجہ سے اس کے راستے میں مزاحم ہونا ضروری ہے۔ اس غلط نظریہ کے حامیین شاید نیکی کو صرف ایک ایسی لطیف قلبی کیفیت خیال کرتے ہیں جو آب و گِل کی دنیا میں منتقل ہونے کی اوّل تو سرے سے صلاحیت ہی نہیں رکھتی یا اگر کسی طرح کوشش کر کے اُس میں یہ صلاحیت پیدا کی جائے تو وہ اپنی لطافت کھو بیٹھتی ہے۔ ان کی نظر میں نیکی ایک ناقابلِ اظہار وجدانی کیفیت ہے جس کا تمام تر تعلق داخلی زندگی سے ہے اور اس بنا پر خارجی زندگی میں اس سے کوئی فائدہ اٹھانا ممکن نہیں بلکہ وہ "دل من داند و من دانم و داند دل من" کی مصداق ہے۔

نیکی کا یہ غلط تصور کسی ایک مقام یا عہد کے ساتھ وابستہ نہیں بلکہ مفاد پرست طبقوں نے اس باطل خیال کو ہر دَور اور ہر معاشرے میں بڑی تدبیر اور طاقت کے ساتھ پھیلانے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ اس زہر کے اثرات ہم پورے معاشرے میں بڑی شدت کے ساتھ محسوس کرتے ہیں۔ ہمارے ہاں نیکی اور پارسائی کا نقشہ کچھ اس طرح اُبھر کر سامنے آتا ہے کہ کوئی شخص کارِ جہاں سے بالکل الگ تھلگ گیان دھیان میں مصروف رہے۔ اُسے دنیا اور اس کے دھندوں سے کوئی

سروکار نہ ہو۔ وہ اگرچہ بھلائی کا علمبردار ہونے کا دعویٰ کرتا رہے اور بوقتِ ضرورت خیر کے کلمات بھی اس کی زبان فیضِ ترجمان سے نکلتے رہیں لیکن وہ بُرائی کے خلاف نبرد آزما ہونے سے ہمیشہ پرہیز کرے کیونکہ خیر و شر کی کشمکش میں اگر وہ براہ راست شریک ہو جاتے تو اس کے دامنِ تقدیس پر دنیاداری کے کچھ چھینٹے پڑنے کا پُورا پُورا احتمال ہے۔

پاکبازی کا یہ غلط نقشہ ہمارے ذہنوں میں اس قدر پختگی کے ساتھ بیٹھ گیا ہے کہ ہم جب بھی کسی نیک اور خداترس انسان کو برائی کے خلاف عملاً جد وجہد کرتے ہوئے دیکھتے ہیں تو ہمارے اندر یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ اس قسم کے اونچے اور خداوند تعالیٰ جیسی بلند و بالا ذات سے لگاؤ اور محبت کرنے والے شخص کو امورِ دنیا میں دخیل ہونا زیب نہیں دیتا۔

مجھے بارہا کئی ایسے نیک نفس انسانوں سے ملنے کا اتفاق ہوا ہے جن کی خدا خوفی، پرہیز گاری، تقویٰ اور للّٰہیت کی کبھی سوسائٹی میں بڑی دھوم تھی لیکن جب انہوں نے ظلم کے خلاف آواز اٹھائی اور اس کا راستہ روکنے کی کوشش کی تو پھر لوگوں نے ان پر بلا تکلف دنیا پرستی اور مفاد پرستی کے الزامات عائد کیے، حالانکہ ان کی زندگی کا کوئی فعل اُن کے ان بے بنیاد الزامات کی تصدیق نہیں کرتا۔ میں اُن کی شریفانہ زندگیوں پر جب کبھی غور کرتا ہوں تو انہیں پہلے کے مقابلے میں زیادہ خداترس، نبی آخر الزماں کا زیادہ فدائی اور متبع، حلال و حرام کے معاملے میں زیادہ محتاط اور ایثار اور قربانی میں زیادہ پُرجوش پاتا ہوں لیکن ایک طبقہ ہے کہ انہیں دنیا پرستی کے طعنے دیئے جاتا ہے۔ ان طعنہ دینے والوں سے کئی مرتبہ تبادلۂ خیالات بھی ہوا اور میں نے ان سے دنیا پرستی کے الزام کی حقیقت بھی معلوم کرنا چاہی لیکن اس معاملے میں انہیں جتنا زیادہ ٹٹولا یہی تلخ حقیقت اُبھر کر سامنے آئی کہ ان کے ذہن یہ باور ہی نہیں کر سکتے کہ کوئی خدا پرست امورِ دنیا میں براہِ راست دخیل ہو کر اُن کی اصلاح کی کوشش کرے۔ انہوں نے اپنے احساسات کا اظہار کرتے ہوئے جو فقرات اپنی زبان سے بالکل غیر شعوری طور پر ادا کیے وہ ان کے

اس غلط نقطۂ نظر کی پوری طرح ترجمانی کرتے ہیں۔ مثلاً ایک صاحب نے فرمایا: "کسی اللہ والے کو انتخابات کے جھگڑوں سے کیا کام، یہ تو ہڈی ہے جس کی طرف سگِ دنیا ہی لپکتا ہے"۔ دوسرا شخص جس نے عدالت میں ایک صاحبِ اقتدار ظالم کے خلاف ڈٹ کر شہادت دی تھی، اُس کے بارے میں یہ کہا جانے لگا کہ عدالتوں کے چکر کاٹ کاٹ کر اُس کی روحانیت مُردہ ہو جائے گی۔ تیسرا شخص جس کی طرف ہمارے گاؤں کا ہر غریب اور مظلوم دادرسی کے لیے رجوع کرتا تھا، اُس کے متعلق یہ غلط فہمی پھیلائی جانے لگی کہ یہ شخص اپنی چودھراہٹ قائم کرنے کے منصوبے بنا رہا ہے۔ ایک چوتھا شخص جس نے بنیادی جمہوریتوں کے صدر کی حیثیت سے نہایت ہی قابلِ ستائش خدمات سر انجام دی ہیں اور کسی دباؤ یا لالچ کے بغیر ہر جھگڑے کا فیصلہ عدل و انصاف کی معتدل میزان پر تول کر کیا ہے، اُس کے متعلق یہ الفاظ سننے میں آتے ہیں: "یہ اچھے بھلے اللہ اللہ کر رہے تھے اب انہیں بھی حکومت کی چاٹ لگ گئی ہے۔ ان کا سارا وقت جھگڑے چکانے میں ضائع ہو رہا ہے"۔ خدا کے ان نیک بندوں پر اگرچہ الزامات کی نوعیتیں مختلف ہیں لیکن ان کے بارے میں فیصلہ ایک ہی سا ہے کہ اس "دنیا کے کاموں" میں الجھ جانے کی وجہ سے ان کا خدا سے تعلق کم ہو گیا ہے اور وہ روحانیت کے بلند مقام سے نیچے اُتر کر دنیا داروں کی پست سطح پر آ گئے ہیں۔ اس رائے کا اظہار اس کثرت سے کیا جاتا ہے کہ یہ حضرات اس سے خود بھی کبھی کبھی متاثر ہو کر یہ کہنا شروع کر دیتے ہیں کہ "آخر یہ دنیا کے مصائب ہی ہیں جن میں ہم بلا وجہ اپنی قوتیں اور صلاحیتیں کھپا رہے ہیں"۔

امورِ دنیا اور امورِ دین کی اس تفریق کی جڑیں بڑی گہری ہیں اور انہیں دنیا پرستوں کی چالاکی اور عیاری نے بڑی حکمت اور دانائی کے ساتھ لوگوں کے قلب و دماغ میں اچھی طرح پیوست کیا ہے۔ شیطان اور اُس کے گماشتے اپنے کاروبار کو کبھی بھی چمکا نہیں سکتے جب تک انہیں اس امر کا پوری طرح یقین نہ ہو جائے کہ نیکی اور بھلائی کے علمبردار دین کے راستے میں

(باقی ص ۷۵ پر)